Al-Kashaf: Research Journal for Social Sciences
Volume: 04, No: 01. January – June 2024
ISSN: 2790 – 8798; E-ISSN: 2790 – 8801

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ تطبیق: عقودِ مالیہ کا اختصاصی مطالعہ

Shah Waliullah’s Theory of Conformity: A Specific Study of Financial Contracts

Dr Saeed Ahmad Saeedi [*], *Mehtab Anwer* [**]
[*]Associate Professor, Department of Islamic Studies, Punjab University, Lahore, Pakistan
[**] Research Assistant, Al-Idrak Research Center, Lahore, Pakistan

KEYWORDS

Shah Waliullah
Islamic jurisprudence
Financial Contracts
Al-Musawa Sharh Al-Muata
Contractual Obligations
Contemporary Challenges
Islamic finance

ABSTRACT

This study examines the profound contributions of the 18th-century scholar, Shah Waliullah, in the field of Islamic jurisprudence. Particularly, it sheds light on his endeavors to reconcile disparities between Hadith and Fiqh, with a specific focus on the intricate landscape of financial contracts. The significance of the article lies in the exploration of the pivotal role of Shah Waliullah in fostering conformity with a primary focus on his seminal work, 'Al-Musawa Sharh Al-Muata’. A contract, fundamentally, is an agreement wherein a party willingly undertakes a binding obligation, grounded in principles of faith and fidelity. Financial contracts, involving sales, exchanges, gifts, loans, and inheritances, are intricately connected to the transfer of ownership. There are various contradictory views of the four major jurisprudential schools within Islam about financial contracts that have been a bone of contention among Muslim Ummah. Shah Waliullah tried to formulate a theory to deal with these complicated issues to create harmony and unity within Islamic civilization. Illustrating his comprehensive approach, Shah Waliullah categorized his theory on financial matters into five key aspects; to give preference to the hadith-based opinions; give equal importance to both opinions; considerations of leave and to be determined; exploring different methods in the same process, and to consider both the statements allowed. it's imperative to consider how Shah Waliullah's insightful theories can contribute to and address contemporary challenges within Islamic finance.

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ برصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کے ہمہ جہت ایک ایسے مفکر ہیں جن کی فکر کی اہمیت واثرات روز بروز نمایاں ہو رہے ہیں۔ان کی خدمات دینیہ کے مختلف میادین ہیں ان میں سے ایک اہم میدان "فقہ الحدیث" ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً حدیث اور فقہ کے مابین مزعومہ حساسیت اور بعد کو دور فرمایا اور ثانیاً "فقہاء محدثین" کی روش کی نہ صرف تحسین فرمائی بلکہ اسے مزید آگے بڑھایا۔اسی طرح آپ، فقہی اختلاف کی حیثیت اور اختلافی مسائل میں سلف صالحین کے طریقے کے پیش نظر اپنے عمیق مطالعہ، معتدل رجحان، گہری بصیرت اور مومنانہ فراست کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے کہ فروعی مسائل میں بے جا تعصب کو ختم کر کے مذاہب فقہ کے مابین باہمی رواداری کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔لہذا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہی مذاہب کے درمیان جمع و تطبیق کی تشکیل کا عزم فرمایا۔

اس سلسلے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طرف چاروں فقہی مذاہب کو یکساں درجے میں اہمیت دی تو دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا روحانی حکم پا کر چاروں فقہی مذاہب کے درمیان باضابطہ جمع و تطبیق کی کوشش فرمائی۔جمع و تطبیق کے اس نازک عمل میں اللہ تعالی نے حق تک رسائی کیلئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک "میزان" بھی عطا فرمایا۔تطبیق کا یہ کام آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دو مرحلوں میں مکمل کیا۔

*Corresponding Author: Dr Saeed Ahmad Saeedi
Email Address: saeed.is@pu.edu.pk

1 حرمین شریفین سے واپسی کے بعد پہلے مرحلہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملک کے ماحول کے پیش نظر فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے درمیان تطبیق کی عملی کوشش فرمائی۔ **"المسوی شرح الموطا"** (عربی) میں یہ کام دیکھا جاسکتا ہے۔

2 دوسرے مرحلے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مذاہب اربعہ کی آراء کے مابین تطبیق و توفیق کا کام شروع فرمایا۔ چنانچہ **"مصفی شرح الموطا"** (جو "المسوی" کے بعد کی تصنیف ہے اور اس کی زبان فارسی ہے) میں اسی نہج پر کوشش فرمائی۔

ذیل میں **"المسوی شرح الموطا"** (عربی) کو پیش نظر رکھتے ہوئے عقود مالیہ کے مابین تطبیق کے حوالے سے چند گزارشات پیش کی جائیں گی۔

تعارف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ بروز بدھ طلوعِ آفتاب کے وقت ہوئی۔ (شاہ ولی اللہ، ۲۰۲) آپ رحمۃ اللہ علیہ قصبہ پھلت (حال ضلع مظفر نگر) میں پیدا ہوئے۔ (ندوی، ج۵، ص۹۷) آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"در خاطر ماندہ است کہ آخر ہمیں سال قرآن عظیم ختم کردم و کتب فارسیہ و مختصرات خواندن شروع کردم و در سال دہم شرح مُلّا میخواندم و راہ مطالعہ فی الجملہ کشاد شد" (شاہ ولی اللہ، ۲۰۲)

"مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک ہی سال میں قرآن مجید مکمل کر لینے کے بعد فارسی کتب اور مختصرات پڑھنا شروع کیں، دسویں سال میں "شرح ملا" پڑھا کرتا تھا اور میرے لیے مطالعہ کی راہ ہموار ہو چکی تھی۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ سال کی عمر میں تفسیر بیضاوی پڑھی اور پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان میں رائج علومِ متداولہ سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں اولین نام آپ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر اساتذہ کرام کے اسماء یہ ہیں: شیخ احمد شناوی، شیخ احمد قشاشی، سید عبدالرحمن ادریسی المحجوب، شمس الدین محمد بن العلاء البابلی، شیخ عیسیٰ جعفری مغربی، محمد بن محمد بن سلیمان مغربی، شیخ ابراہیم کردی، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد نخلی، شیخ عبداللہ بن سالم البصری، شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی اور شیخ تاج الدین قلعی حنفی۔ تعلیم کے بعد آپ نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ والد ماجد کے وصال کے بعد "مدرسۂ رحیمیہ" میں کم و بیش بارہ سال تک دینی و عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہے۔ (شاہ ولی اللہ، ۲۰۳-۲۰۲)

آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دن بھر کے معمولات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دیگر علوم و کمالات کے علاوہ ضبطِ اوقات میں بھی والد ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی نظر آیا۔ اشراق کے بعد جو بیٹھتے تھے تو دوپہر تک پہلو بھی نہ بدلتے تھے، نہ کھجاتے تھے اور نہ تھوکتے تھے۔ (شاہ عبدالعزیز، ۴۰)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً تمام علوم و فنون میں گراں قدر تصانیف رقم فرمائی ہیں۔ علم فقہ و شریعت کے تناظر میں دیکھا جائے تو بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں جیسا کہ فقہی تصلب و تشدد کے ماحول میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مذاہبِ فقہ کے بانیان کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے ان مذاہب کے درمیان نظریہ تطبیق پیش کیا اور المسوی شرح المؤطا میں آپ نے فقہ حنفی اور فقہ شافعی جبکہ مصفی شرح المؤطا میں مذاہب اربعہ کے

درمیان تطبیقات دی ہیں۔ اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ نے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، تابعین عظام رحمۃ اللہ علیھم اوران کے بعد ائمہ مجتھدین رحمۃ اللہ علیھم کے مابین مسائل سے متعلق اختلافات کی حکمت اور تاریخ بیان کی ہے۔

۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ بروز جمعہ بوقت نماز ظہر آپ کا وصال پر ملال ہوا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، آپ کے وصال مبارک کی تاریخ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں: "آپ کی تاریخ وفات "او بود امام اعظم دیں" اور "ہائے دل روزگار رفت" سے نکلتی ہے۔ آپ کی وفات بوقت ظہر ۲۹ محرم (۱۱۷۶ھ) کو ہوئی۔" (شاہ عبدالعزیز، ۴۰)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ تطبیق:

تطبیق باب تفعیل کا مصدر ہے جو "طبق" سے مشتق ہے۔ ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا تطبیق کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"طبّق الحقّ إذا أصابه، من هذا، و معناه وافقه حتّي صار ما أراد وفقاً للحق مطابقاً له ثم يحمل علي هذا حتي يقال: طبّق، إذا أصاب المفصل ولم يخطئه" (ابوالحسین، ۶۰۷)

"طبّق الحق"، اُس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو حق تک پہنچ جائے اسی وجہ سے اس کا معنی کیا جاتا ہے کہ اُس نے حق کی موافقت کی، یہاں تک کہ جو اُس کا مطلوب و مراد تھا وہ حق کے مطابق و موافق ہو گیا پھر اس کا استعمال ایسا وار کرنے کے لیے ہونے لگا جو جوڑ تک پہنچ جائے اور بالکل خطا نہ جائے۔

علامہ محمد اعلیٰ تھانوی اپنی کتاب **"کشّاف اصطلاحات الفنون والعلوم"** میں لکھتے ہیں:

"التطبيق: ---وعند اهل النظر عبارة عن إيراد الدليل على وجه المدعٰى، و هو مرادف التقريب" (تھانوی، ج ۱، ص ۴۷۲)

اہل نظر کے نزدیک تطبیق، دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اس کے موافق دلیل لانے سے عبارت ہے۔ اور یہ تقریب کے مرادف ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے نظریۂ تطبیق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان الحق الموافق لعلوم الملاء الاعلى اليوم ان يجعلا كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدوّنة في حديث النبي صلى الله عليه وسلم من الفريقين، فما كان موافقا بها يبقي وما لم يوجد له اصل يسقط والثابت منها بعدالنقد ان توافق بعضه بعضا فذالك الذي يعض عليه بالنواجذ وان يخالف تجعل المسئلة علي قولين ويصح العمل عليهما، اويكون من قبيل اختلاف احرف القران او على الرخصة والعزيمة، اويكونان طريقين للخروج من المضيق كتعدد الكفارات اويكون اخذا بالمباحين المستويين لا يعدو الامر هذه الوجوه ان شاء الله" (شاہ ولی اللہ، ج ۲، ص ۲۰۲)

ملاءِ اعلیٰ کے علوم کے موافق حق یہ ہے کہ ان دونوں (مذہبِ حنفیہ اور شافعیہ) کو ایک ہی مذہب کی طرح کر دیا جائے (اس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ) ان دونوں مذاہب (کے مختلف فیہ مسائل) کو انہی مذاہب کی مدون شدہ کتبِ حدیث پر پیش کیا جائے گا، ان میں سے جو (قول) حدیث کے موافق ہو گا اس کو اختیار کیا جائے اور جو مخالف ہو گا وہ ساقط ہو جائے گا۔ اس نقد کے بعد ثابت ہو گا کہ اس مذہب کے بعض مسائل بعض احادیث کے موافق ہیں یہی وہ احکام ہیں جن کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اسے "مسئلہ علی القولین" قرار دیا جائے گا اور ان دونوں اقوال پر عمل درست ہوگا یا یہ اختلاف ، قرآن کی قراء توں کے اختلاف کے قبیل سے سمجھا جائے گا یا اس اختلاف کو رخصت اور عزیمت پر محمول کیا جائے گا یا یہ دونوں اقوال تعدد کفارات کی طرح تنگی سے خروج کے دو طریقوں کی طرح ہوں گے یا ان دونوں اقوال کو برابر درجے کا مباح سمجھا جائے گا۔ کوئی بھی مسئلہ ان وجوہ سے خارج نہیں ہوگا ان شاءاللہ۔

مذکورہ بالا عبارت سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے منہج تطبیق کی درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

1. مختلف فیہ مسائل میں سے جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو، حکم اس کے مطابق ہوگا اور جو مسئلہ حدیث کے مخالف ہو وہ ساقط ہو جائے گا۔
2. اور جس مسئلہ میں اختلاف ہو اسے "مسئلہ علی القولین" قرار دے کر دونوں پر عمل کو جائز قرار دیا جائے گا۔
3. یا ان دونوں میں سے ایک کو رخصت اور دوسرے کو عزیمت پر محمول کیا جائے گا۔
4. کفارہ کی طرح ایک عمل کی ادائیگی کے دو طریقے شمار کیا جائے گا۔
5. دونوں کو برابر درجے کا مباح سمجھا جائے گا یعنی دونوں پر عمل کرنے کی ایک ہی حیثیت ہوگی۔

تطبیق کی مذکورہ بالا پانچ صورتیں بیان کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مختلف فیہ مسائل میں سے کوئی بھی مسئلہ ان مذکورہ بالا وجوہ سے باہر نہیں ہوگا یعنی ہر مسئلہ ان پانچ صورتوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوگا۔

اس سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ شاہ صاحب کی تطبیقات کا عمومی منہج یہ تھا کہ آپ اسی قول کو راجح جانتے جو ظاہر و معروف حدیث کے زیادہ قریب ہو۔ جیسا کہ مذکوہ بالا عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر آپ نے واضح الفاظ میں بھی یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"ونحن ناخذ من الفروع ما اتفق عليه العلماء ولاسيما هاتان الفرقتان العظيمتان: الحنفية والشافعية وخصوصا في الطهارة والصلوة، فان لم يتيسر الاتفاق واختلفوا فناخذُ بما يشْهد له ظاهر الحديث ومعروفه" (شاہ ولی اللہ، ج ۲، ص ۲۰۲)

فروعی مسائل میں سے ہم اسے لیتے ہیں جس پر علماء متفق ہوں خصوصاً طہارت اور نماز کے مسائل میں خاص طور پر یہ دو بڑے گروہ: حنفیہ اور شافعیہ (جس پر متفق ہوں)، پھر اگر ان کا اتفاق نہ ہو بلکہ ان میں اختلاف پایا جائے تو ہم اس قول کو اختیار کرتے ہیں ظاہر و معروف حدیث کے موافق ہو۔

کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک مختلف فیہ اقوال میں سے ظاہر و معروف حدیث کے موافق قول کو ترجیح دینا ہی تطبیق ہے۔

عقد کا مفہوم:

عقودِ مالیہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ تطبیق جاننے سے قبل ضروری ہے کہ عقد اور عقودِ مالیہ کا مفہوم جان لیا جائے۔ عقد کی تعریف بیان کرتے ہوئے علامہ ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں:

الْعَقْدُ مَا يَعْقِدُهُ الْعَاقِدُ عَلَى أَمْرٍ يَفْعَلُهُ هُوَ أَوْ يَعْقِدُ عَلَى غَيْرِهِ فِعْلَهُ عَلَى وَجْهِ إلْزَامِهِ إيَّاهُ لِأَنَّ الْعَقْدَ إذَا كَانَ فِي أَصْلِ اللُّغَةِ الشَّدَّ ثُمَّ نُقِلَ إلَى الْأَيْمَانِ وَالْعُقُودِ عُقُودُ الْمُبَايَعَاتِ وَنَحْوِهَا فَإِنَّمَا أُرِيدَ بِهِ إلْزَامُ الْوَفَاءِ بِمَا ذَكَرَهُ وإيجابه عَلَيْهِ وَهَذَا إنَّمَا يَتَنَاوَلُ مِنْهُ مَا كَانَ مُنْتَظَرًا مُرَاعًى فِي الْمُسْتَقْبَلِ مِنْ الْأَوْقَاتِ"(الجصاص، ج ۲، ص ۳۷۰)

عقد اس اقدام کو کہتے ہیں جس کے تحت عقد کرنے والا کسی ایسے کام کی گرہ ڈال دیتا ہے جسے وہ خود سر انجام دینا چاہتا ہے یا کسی اور کے ذمے اس کام کو انجام دینا لازم کر دیتا ہے کیونکہ اصل میں عقد کا لغوی معنی "گرہ لگانا" ہے بعد میں اسے "حلف" کے معنی کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ عقود میں خرید و فروخت اور اس جیسے دیگر معاہدات شامل ہوتے ہیں۔ اس سے مراد ہوتا ہے کہ (عاقد نے) جو ذکر کیا اسے پورا کرنا اور اس پر واجب کرنا۔ یہ مفہوم عقد کی ان صورتوں کو شامل ہوتا ہے جن کے وقوع پذیر ہونے کا آنے والا وقت یعنی مستقبل میں انتظار کیا جاتا ہے اور انہیں نگاہ میں رکھا جاتا ہے۔

عقودِ مالیہ کا مفہوم

موسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:

"الْعَقْدُ إِذَا وَقَعَ عَلَى عَيْنٍ مِنَ الأَعْيَانِ يُسَمَّى عَقْدًا مَالِيًّا بِاتِّفَاقِ الْفُقَهَاءِ، سَوَاءٌ أَكَانَ نَقْل مِلْكِيَّتِهَا بِعِوَضٍ، كَالْبَيْعِ بِجَمِيعِ أَنْوَاعِهِ مِنَ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ وَالْمُقَايَضَةِ وَنَحْوِهَا أَمْ بِغَيْرِ عِوَضٍ، كَالْهِبَةِ وَالْقَرْضِ وَالْوَصِيَّةِ بِالأَعْيَانِ وَنَحْوِهَا، أَوْ بِعَمَلٍ فِيهَا، كَالْمُزَارَعَةِ وَالْمُسَاقَاةِ وَالْمُضَارَبَةِ وَنَحْوِهَا" (الموسوعہ، ج۳، ص۲۲۷)

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عقد جب کسی عین پر واقع ہو تو اسے عقدِ مالی کہتے ہیں، برابر ہے کہ اس کی ملکیت عوض کے ذریعے سے منتقل ہو، جیسے: بیع اور اس تمام اقسام مثلاً: صرف، سلم اور مقائضہ وغیرہ، یا بلا عوض منتقل ہو، جیسے: ہبہ، قرض اور اعیان کی وصیت وغیرہ یا اس میں عمل کے ذریعے سے منتقل ہو، جیسے، مزارعت، مساقات اور مضاربت وغیرہ۔

عقودمالیہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ تطبیق

عقودمالیہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ تطبیق کی چند ایک امثلہ درج ذیل ہیں:

1. کھانے کی کھانے کے ساتھ بیع

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کھانے کی کھانے کے ساتھ اور نقد کی نقدی کے ساتھ بیع کے بارے میں لکھتے ہیں:

قلت: "وعليه الشافعي؛ في المنهاج: اذا بيع الطعام بالطعام ان كان جنسا اشترط الحلول والمماثلة والتقابض قبل التفرق، او جنسين كحنطة وشعير جاز التفاضل، واشترط الحلول والتقابض قبل التفرق والنقد بالنقد كطعام بطعام؛ وفي الوقاية علته القدر مع الجنس فحرم بيع الكيلي والوزني بجنسه متفاضلا ولو غير مطعوم كالجص والحديد وحل مماثلا وبلا معيار كحفنة بحفنتين، فان وجد الوصفان حرم الفضل والنسا وان عدما حلا وان وجد احدهما لا الآخر حل الفضل لا النسا، كسلم ثوب هروي في هروي وبر في شعير ، واعتبر تعيين الربوي في غير صرف بلا شرط تقابض . قال البغوي: ذهب اصحاب الرأي، الى أن التقابض في المجلس في بيع مال الربا بجنسه ليس بشرط الا فى الصرف وهو بيع احد النقدين بالاخر اوبجنسه۔" (شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۷)

امام شافعی کا یہی مذہب المنہاج میں ہے کہ جب کھانے کی کھانے کے ساتھ بیع ہو تو اگر وہ دونوں ایک ہی جنس ہوں تو تفریق سے پہلے حلول، مماثلت اور تقابض شرط ہے اور اگر دونوں الگ الگ اجناس ہوں جیسے گندم کی جو کے ساتھ بیع تو اس میں تفاضل جائز ہو گا البتہ جدائی سے پہلے حلول اور تقابض شرط ہو گا۔ اور نقد و نقد کا حکم بھی **بیع الطعام بالطعام** کی طرح ہے۔

وقایہ میں اس کی علت **قدر مع الجنس** بیان کی گئی ہے لہٰذا کیلی اور وزنی اشیاء کی کمی بیشی کے ساتھ بیع حرام ہو گی اگرچہ وہ غیر ماکول اشیاء ہوں جیسے چونا اور لوہا وغیرہ، البتہ یہ بیع مماثلاً اور بلا معیار حلال ہو گی جیسے ایک مٹھی کی دو مٹھیوں کے ساتھ بیع، پھر اگر دونوں وصف پائے گئے تو کمی بیشی اور ادھار دونوں

حرام ہوں گے، دونوں وصف معدوم ہوں تو (کمی بیشی اور ادھار) دونوں حلال ہوں گے اور اگر ان میں سے ایک وصف پایا گیا لیکن دوسرا نہ پایا گیا تو کمی بیشی حلال ہو گی لیکن ادھار جائز نہیں جیسے ہروی کپڑے کی ہروی میں بیع اور گندم کی جو کے ساتھ بیع۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہلِ رائے کا مذہب ہے کہ مالِ ربا کی اسی جنس کے ساتھ بیع مجلس میں (جدائی سے پہلے) تقابض شرط نہیں البتہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ "بيع احد النقدين بالآخر او بجنسه" ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر درج ذیل عنوان سے باب قائم کیا ہے:

يحرم بيع الطعام بجنسه والنقد بجنسه الا يدا بيد سواء بسواء فان اختلفت الاجناس وكان طعام بطعام، او نقد بنقد، اشترط التقابض لا المساواة، وان كان طعام بنقد لم يشترط التقابض ايضاً(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۴)

کھانے اور نقدی کی اسی جنس کے ساتھ بیع حرام ہے مگر **یداً بید** (نقد و نقد) اور **سواءً بسواءٍ** (برابر برابر) جائز ہے، اگر اجناس مختلف ہوں تو کھانے کی کھانے کے ساتھ اور نقد کی نقد کے ساتھ بیع میں تقابض شرط ہے لیکن مساواۃ شرط نہیں اور اگر کھانے کی نقد کے ساتھ بیع ہو تو اس میں تقابض بھی شرط نہیں رہے گا۔

یہ بات **"المسوّیٰ"** کے اسلوب میں سے ہے کہ **"الموطا"** کے ابواب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود قائم کیے ہیں اور ان میں جو ابواب حل مسئلہ کے طور پر قائم کیے گئے ہیں وہی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا راجح مؤقف ہے۔ اس مسئلہ میں شاہ صاحب کا قائم کردہ باب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے (جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس مذہب کو اختیار کرنے کی وجہ اس کا حدیث کے موافق ہونا ہے۔

یہ مذہب مؤطا امام مالک کی درج ذیل حدیث کے موافق ہے:

مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ النَّصْرِيِّ؛ أَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفاً بِمِائَةِ دِينَارٍ. قَالَ: فَدَعَانِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ، فَتَرَاوَضْنَا، حَتَّى اصْطَرَفَ مِنِّي. وَأَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِي يَدِهِ. ثُمَّ قَالَ: حَتَّى يَأْتِيَنِي خَازِنِي مِنَ الْغَابَةِ.وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسْمَعُ. فَقَالَ عُمَرُ: وَاللهِ، لاَ تُفَارِقْهُ، حَتَّى تَأْخُذَ مِنْهُ. ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ، رِباً، إِلاَّ هَاءَ، وَهَاءَ.وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، رِباً، إِلاَّ هَاءَ، وَهَاءَ.وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، رِباً، إِلاَّ هَاءَ، وَهَاءَ.وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، رِباً، إِلاَّ هَاءَ، وَهَاءَ.(مالک، ج۴، ص۹۲۰)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اوس بن حدثان نصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے سو دینار کے عوض ریزگاری حاصل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور میرے ساتھ بھاؤ طے کرنے لگے حتی کہ انہوں نے مجھ سے ریزگاری کی قیمت وصول کی اور سونا ہاتھ میں پکڑ کر اسے الٹ پلٹ کرنے لگے، پھر فرمایا: میرے خازن کے جنگل سے آنے تک ٹھہریے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہماری گفتگو سن رہے تھے، تو آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! تم طلحہ بن عبید اللہ سے تب تک جدا نہ ہونا جب تک اس سے ریزگاری لے نہ لو۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونے کی چاندی سے بیع سود ہے الا یہ کہ نقد و نقد ہو، گندم کی گندم کے ساتھ بیع سود ہے الا یہ کہ نقد و نقد ہو، کھجور کی کھجور کے ساتھ بیع سود ہے الا یہ کہ نقد و نقد ہو اور جو کی جو کے ساتھ بیع سود ہے الا یہ کہ نقد و نقد ہو۔

2. گوشت کی حیوان سے بیع

گوشت کی زندہ جانور کے ساتھ بیع کے حکم کے بارے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: وعليه الشافعي، في المنهاج ويحرم بيع اللحم بالحيوان من جنسه وكذا بغير جنسه من ماكول وغيره، وفي شرح السنة اختلف اهل العلم في بيع اللحم بالحيوان فذهب جماعة الصحابة والتابعين الى تحريمه، واليه ذهب الشافعي. وحديث ابن المسيب وان كان مرسلا لكنه يتقوى بعمل الصحابة، واستحسن الشافعي مرسل ابن المسيب، وذهب جماعة الى اباحته واختارها المزني اذ لم يثبت الحديث، وكان فيه قول متقدم ممن يكون بقوله اختلاف، ولان الحيوان ليس بمال الربا بدليل انه يجوز بيع حيوان بحيوانين فبيع اللحم بالحيوان بيع مال الربا بما لا ربافيه فيجوز ذلك في القياس، الاان يثبت الحديث فناخذ به وندع القياس،(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۱۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ گوشت کی (زندہ) حیوان کے ساتھ بیع حرام ہے چاہے جنس ایک ہو یا مختلف، اسی طرح وہ ماکول ہو یا غیر ماکول۔ "شرح السنہ "میں ہے کہ "بيع اللحم بالحيوان "میں اہلِ علم کا اختلاف ہے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت اس کی حرمت کی قائل ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ سعید ابن المسیب کی حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن عملِ صحابہ سے اس روایت کو قوت حاصل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن المسیب کی روایتِ مرسل کو حسن قرار دیا ہے۔ جبکہ اہلِ علم کی ایک جماعت اس بیع کی اباحت کی قائل ہے۔ اسے مزنی نے اختیار کیا ہے لیکن یہ (مذہب) کسی حدیث سے ثابت نہیں اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ حیوان مالِ ربا میں سے نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع جائز ہے پس "بيع اللحم بالحيوان "مالِ ربا کی ایسے مال کے ساتھ بیع کی طرح ہے جس میں ربا نہ ہو، تو یہ بیع قیاس کے مطابق حلال ہو گی۔ (شاہ صاحب فرماتے ہیں:) لیکن جو بات حدیث سے ثابت ہو گی ہم اسے لیں گے اور قیاس کو چھوڑ دیں گے۔

وفي الوقاية : جاز بيع اللحم بالحيوان، وقال محمد في الموطا: وبهذا ناخذ من باع لحما من لحم الغنم بشاة حية لا يدري اللحم اكثر او ما في الشاة اكثر فالبيع فاسد مكروه ولا ينبغي وهذا مثل المزابنة والمحاقلة وكذا بيع الزيتون بالزيت ودهن السمسم بالسمسم، وتفسيره على ما في شرح الوقاية اذا بيع الحيوان بلحم الحيوان من جنسه لا يجوز البيع الااذا كان اللحم اكثر من لحم ذلك الحيوان، ليكون الزائد في مقابلة السقط (شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۱۳-۱۲)

وقایہ میں بھی یہی ہے کہ "بيع اللحم بالحيوان "جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ "**الموطا**" میں فرماتے ہیں: اسی سے ہم دلیل پکڑتے ہیں کہ جس نے گوشت کو زندہ بکری کے گوشت کے ساتھ (اندازتاً) فروخت کیا ہے وہ نہیں جانتا کہ (یہ ذبح شدہ) گوشت زیادہ ہے یا زندہ بکری میں، پس یہ بیع فاسد اور مکروہ ہو گی اور یہ بیع مزابنہ اور محاقلہ کی طرح ہو جائے گی جیسے زیتون کی بیع تیل کے ساتھ اور تل کی بیع تل کے روغن کے ساتھ۔ شرح وقایہ میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب حیوان کی بیع اسی جنس کے حیوان کے گوشت کے ساتھ ہو تو یہ بیع جائز نہیں البتہ یہ ہے کہ گوشت اس (زندہ) جانور کے گوشت سے زیادہ ہو۔

أقول: والأحسن عندي أن معنى الحديث أن يقول للقصاب كم يخرج من هذه الشاة ؟ فيقول القصاب : عشرون رطلاً فيقول : خذ هذه الشاة بعشرين رطلاً من اللحم إن خرج أكثر فلك أو أقل فعليك ، فهذا نوع من القمار و رجع الحديث الى القياس۔(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۱۳)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس حدیث کا سب سے بہتر مفہوم یہ ہے کہ کوئی قصاب سے کہے کہ یہ بکری کتنے کی ہے؟ قصاب کہے کہ بیس رطل کی۔ تو وہ کہے کہ یہ بکری بیس رطل گوشت کے عوض لے لو اگر یہ بیس رطل سے زیادہ نکلی تو تمہاری اور اگر کم نکلی تو تم اس (اضافی) کی قیمت ادا کرو گے تو یہ قمار کی ایک قسم ہو جائے گی اور حدیث قیاس کی طرف لوٹ جائے گی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں اپنی رائے کی تصریح نہیں فرمائی نہ عنوانِ باب میں اور نہ ہی شرحِ حدیث میں لیکن ان کے نظریہ تطبیق کے مطابق وہی مؤقف راجح ہے جو حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ پس اس مسئلہ میں بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حدیث کے زیادہ قریب ہے اور یہی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب ہے۔

یہ مذہب مؤطا امام مالک کی درج ذیل حدیث کے موافق ہے:

"مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ، بِاللَّحْمِ" (مالک، ج۴، ص۹۴۷)

امام مالک زید بن اسلم سے اور وہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوان کی گوشت سے بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

سطور بالا میں سعید بن مسیب کی مرسل رضی اللہ عنہ سے یہی روایت مراد ہے۔

3. بیع کے وقت کچھ پھل یا درخت مستثنیٰ کرنا

باغ فروخت کرتے ہوئے اس میں سے کچھ درخت یا پھلوں کے ڈھیر میں سے کچھ پھل مستثنیٰ کرنے کے بارے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: قال النووي في شرح مسلم: في رواية الترمذي باسناد صحيح، نهى عن الثنيا الا ان تعلم فقال: الثنيا المبطلة للبيع قوله:بعتك هذه الصبرة الا بعضهااو هذه الاشجار الا بعضها فلا يصح البيع لان المستثنى مجهول، ولو قال بعتك هذه الاشجار الا هذه الشجرة او الا ربعها او الصبرة الا ثلثها، او بعتك بالف الا درهما صح البيع باتفاق العلماء، ولو باع الصبرة الا صاعا منها فالبيع باطل عند الشافعي، وصحح مالك ان يستثنى منها ما لا يزيد على ثلثها، واذا باع ثمرة نخلات واستثنى عشرة صاع للبائع فمذهب الشافعي وابي حنيفة والعلماء كافة بطلان البيع. وقال مالك وجماعة من علماء المدينة: يجوز ذلك ما لم يزد على قدر ثلث الثمرة.

(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۳۵)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں اور امام ترمذی نے جامع ترمذی میں صحیح سند سے روایت کیا کہ غیر معلوم استثناء سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی کہے کہ میں نے کچھ کے علاوہ کھانے کا یہ ڈھیر فروخت کیا، یا کہے کہ بعض درختوں کو چھوڑ کر یہ سارے درخت فروخت کیے تو یہ بیع درست نہ ہوگی کیونکہ اس میں استثناء مجہول ہے۔ اور اگر کہے کہ میں نے یہ درخت چھوڑ کر باقی سارے درخت فروخت کیے یا کہے کہ اس ڈھیر میں سے ایک تہائی یا چوتھائی کو چھوڑ کر میں نے سارا ڈھیر فروخت کیا تو یہ بیع درست ہوگی۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

اگر مشتری یہ کہے کہ ایک صاع کے علاوہ باقی سارا ڈھیر فروخت کیا تو یہ بیع امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باطل ہوگی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے بشرطیکہ استثناء ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ اور جب کسی نے کھجوروں کا پھل فروخت کیا اور اس میں سے دس صاع مستثنیٰ کر لیے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تمام علماء اس بیع کے باطل ہونے کے قائل ہیں جبکہ امام مالک اور مدینہ منورہ کے علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بیع جائز ہوگی جبکہ وہ (استثناء) ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

اس مسئلہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ بحث میں سے کچھ صورتیں اتفاقی ہیں اور کچھ اختلافی۔ اختلافی صورتوں میں سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ رجحان جواز کے قائلین کی طرف ہے جیسا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عنوانِ باب سے واضح ہے کہ آپ نے اس مسئلہ پر درج ذیل عنوان سے باب باندھا ہے:

يجوز الاستثناء في البيع إذا كان معلوماً(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۳۵)

بیع میں استثناء جائز ہے جبکہ مستثنیٰ معلوم ہو۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مؤقف حدیث کے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ یہ مذہب مؤطا کی درج ذیل روایات کے موافق ہے:

مَالِكٌ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمنِ؛ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، كَانَ يَبِيعُ ثَمَرَ حَائِطِهِ، وَيَسْتَثْنِي مِنْهُ.(مالک، ج۴، ص۸۹۸)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ربیعہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ قاسم بن محمد اپنے باغ کا پھل فروخت کرتے تھے اور اس میں سے کچھ پھل مستثنیٰ کر لیا کرتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے:

مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ؛ أَنَّ جَدَّهُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْروبْنِ حَزْمٍ، بَاعَ ثَمَرَ حَائِطٍ لَهُ، يُقَالُ لَهُ الْأَفْرَاقُ بِأَرْبَعَةِ آلآفِ دِرْهَمٍ. وَاسْتَثْنَى مِنْهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ تَمَراً.(مالک، ج۴، ص۸۹۸)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا محمد بن عمرو بن حزم نے اپنے ایک باغ کا پھل چار ہزار درھم میں فروخت کیا جسے **"افراق"** کہا جاتا تھا اور اس میں سے آٹھ سو درھم کی کھجوریں مستثنیٰ کر لیں۔

4. تابیر کے بعد کھجوروں کی بیع کا حکم

کھجوروں کی پیوندکاری کے بعد کھجوروں کی بیع میں پھل شامل ہوں گے یا نہیں اس بارے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وعليه الشافعي، في شرح السنة: والعمل على هذا عند اكثر اهل العلم، انه اذا باع نخلة قد ابرت لا تدخل الثمرة في مطلق النخلة، الا ان يبيع الثمرة معها، وان كان عليها طلع لم يشقق فيدخل في مطلق البيع كالاغصان، وان كان بعد تشقق الطلع قبل التابير فلا يدخل ايضا، وذهبت الحنفية الى انه لو باع نخلة مطلعة لا يدخل الطلع الا بالشرط، كالزرع لا يدخل في بيع الارض، ومفهوم قوله قد ابرت حجة عليهم۔(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۱۶)

شرح السنہ میں ہے: امام شافعی اور دیگر اکثر علماء کا مذہب ہے کہ اگر کسی نے تابیر کے بعد کھجوریں فروخت کیں تو اس بیع میں ان کھجوروں کا پھل شامل نہیں ہوگا، الا یہ کہ بائع کھجوروں کے ساتھ وہ پھل بھی فروخت کر دے۔ اور اگر ان کھجوروں پر پھول نکلے لیکن ان سے پھل نہ بنا تو وہ بھی ٹہنیوں کی طرح بیع میں شامل ہوں گے وگرنہ نہیں۔ جبکہ احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر اس نے (تابیر کے بعد) پھول نکلنے کے بعد کھجوریں فروخت کیں تو وہ پھول اس میں شامل نہ ہوں گے الّا یہ کہ خریدار اس کی شرط رکھ لے بالکل ایسے ہی جیسے زمین کی فروخت میں کھیتی شامل نہیں ہوتی۔ (شاہ صاحب فرماتے ہیں) رسول اللہ ﷺ کا قول "قد أبرت" ان کے خلاف حجت ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ عنوانِ باب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف بھی وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کیونکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کا عنوان درج ذیل الفاظ کے ساتھ قائم کیا ہے:

"من باع نخلاً وقد أبرت فثمرها للبائع إلا أن يشترط المبتاع" (شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۱۶)

جس نے تابیر کے بعد کھجور کے درخت فروخت کیے تو ان کا پھل بیچنے والے کا ہوگا الّا یہ کہ خریدنے والا اس کی شرط رکھ لے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مذہب اس لیے اختیار کیا کیونکہ یہ مذہب حدیث کے زیادہ قریب ہے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کا عنوان ہی حدیث کے الفاظ کے ساتھ باندھا ہے۔ اس مذہب پر مؤطا امام مالک کی درج ذیل حدیث صریح دلالت کرتی ہے:

مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:"مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِّرَتْ. فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ. إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ"(مالک، ج۴، ص۸۹۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے تابیر کے بعد کھجوروں کے درخت فروخت کیے تو ان کا پھل بائع کا ہوگا الا یہ کہ مشتری اس پھل کو شرط کرلے۔

5. پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع کا حکم

درختوں پر لگے پھلوں کی پکنے سے پہلے بیع کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

قلت: "ازهى النخل احمر واصفر، العاهة الآفة التي تصيب الثمر والزرع، وعليه الشافعي، في المنهاج: ويجوز بيع الثمر بعد بدو صلاحه مطلقا وبشرط قطعه وبشرط ابقائه، وقبل الصلاح ان بيع منفردا عن الشجر لا يجوز الا بشرط القطع وان يكون المقطوع منتفعا بـه، وعند ابي حنيفة يصح البيع مطلقا ويؤمر بالقطع فتاويل الحديث عنده على ما قال محمد لا ينبغي ان يباع شيء من الثمار على ان يترك على النخيل حتى يبلغ الى ان يحمر او يصفر، فاذا لم يحمر او يصفر فلا خير في شرائه على ان يترك حتى يبلغ"(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۱۸-۱۷)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدو صلاح سے مراد پھلوں کا سرخ یا زرد ہونا اور پھلوں اور کھیتوں کو پہنچنے والی آفت سے محفوظ ہونا ہے۔ منہاج میں امام شافعی کا مذہب مذکور ہے کہ پھلوں کے پک جانے کے بعد ان کی بیع مطلقاً، پھل کاٹنے کی شرط کے ساتھ اور ان کے درختوں پر باقی رہنے کی شرط کے ساتھ (بہر صورت) جائز ہے جبکہ پکنے سے پہلے درختوں کو چھوڑ کر صرف پھلوں کی بیع، پھل توڑنے کی شرط کے بغیر جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ بیع مطلقاً درست ہے اور بائع کو پھل اتارنے کا کہا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس حدیث کی تاویل وہی ہے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ پھلوں کو درختوں پر تب تک نہیں بیچنا چاہیے جب تک پھل سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور اور پھلوں کے سرخ یا زرد ہونے سے پہلے پکنے تک ان کو درختوں پر رہنے کی شرط کے ساتھ خریدنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کردہ مذہب وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کیونکہ آپ نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے:

"النهي عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها"(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۱۶)

پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع سے ممانعت

اس باب کے عنوان میں شاہ صاحب نے مطلقاً ممانعت کا ذکر کیا ہے یعنی پھلوں کے پکنے سے پہلے ان کی بیع کسی بھی صورت میں جائز نہیں اور یہی امام شافعی اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب اور ظاہر الحدیث کے موافق ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں بیان کردہ حدیث کی تاویل کرتے ہیں۔اس مذہب کے موافق مؤطا امام مالک کی درج ذیل حدیث ہے:

مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاَحُهَا. نَهَى الْبَائِعَ، وَالْمُشْتَرِيَ.(مالک، ج۴، ص ۸۹۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ پک نہ جائیں، آپ ﷺ نے اس سے بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا۔

دوسری روایت حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ.فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا تُزْهِيَ؟فَقَالَ: "حِينَ تَحْمَرُّ".وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَةَ، فَفِيمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ؟" (مالک، ج۴، ص۸۹۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا جب تک کہ وہ پکنے کے قریب نہ ہو جائے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ پکنے کے قریب ہونے سے کیا مراد ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا سرخ ہو جانا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے پکنے ہی نہ دیا تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے کس چیز کی قیمت وصول کرتا ہے؟

6. ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

ذخیرہ اندوزی کن صورتوں میں جائز ہے، کن صورتوں میں منع ہے اور پھر ممانعت سے مراد اس کا حرام ہونا ہے یا مکروہ؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: وعليه اهل العلم، قال النووي في شرح مسلم: قال اصحابنا: الاحتكار المحرم هو الاحتكار في الاقوات خاصة، وهو ان يشتري الطعام في وقت الغلاء ولا يبيعه في الحال بل يدخره ليغلو ثمنه، فاما اذا اشتراه او جاء من قريته وقت الرخص وادخره او ابتاعه في الغلاء لحاجته الى اكله او ابتاعه ليبيعه في الوقت فليس باحتكار ولا تحريم فيه، واما غير الاقوات فلا يحرم الاحتكار فيه بكل حال هذا تفصيل مذهبنا، وفي الهداية: يكره الاحتكار في اقوات الآدمي والبهائم اذا كان ذاك في بلد يضر الاحتكار باهله، ومن احتكر غلة ضيعته او جلبه من بلد اخر فليس بمحتكر.(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۳۶)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور اہل علم کا یہی موقف ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ ذخیرہ اندوزی صرف کھانے پینے کی اشیاء میں حرام ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی مہنگائی کے وقت کھانا خریدے اور اس کو فروخت نہ کرے بلکہ اس کی قیمت بڑھنے تک روکے رکھے اور اگر کسی نے رخصت کے وقت میں کھانا خریدا اور اسے ذخیرہ کر لیا یا اسے مہنگائی کے وقت اپنے کھانے یا اسی وقت بیچنے کے لیے خریدا تو یہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے اور نہ ہی یہ حرام ہے۔ اور رہی وہ چیزیں جو کھانے کے علاوہ ہیں تو ان میں ذخیرہ اندوزی کسی بھی حال میں حرام نہیں، یہ ہمارے مذہب کی تفصیل ہے۔

ہدایہ میں (احناف کا مذہب) ہے کہ انسانوں اور جانوروں کی خوراک میں ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے جب یہ کسی ایسے شہر میں ہو جہاں ذخیرہ کرنا اہلِ علاقہ کے لیے نقصان کا باعث ہو۔اور جس نے اپنی زمین کا غلہ ذخیرہ کیا یا اسے ایک شہر سے کسی دوسرے شہر لے گیا تو یہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔

ذخیرہ اندوزی کے حکم کے بارے میں بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے باب کا عنوان: "النهي عن الاحتكار "(ذخیرہ اندوزی کی ممانعت) قائم کیا ہے اس میں آپ نے اگرچہ نہی کے مفہوم (حرمت یا کراہت) کا ذکر نہیں کیا البتہ آپ کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس کی حرمت کے ہی قائل ہیں نہ کہ کراہت کے۔کیونکہ **"المسوی"** میں آپ نے یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ آپ وہ مذہب پہلے ذکر کرتے ہیں جو حدیث کے زیادہ قریب ہو اور وہی آپ کا مذہب ہوتا ہے۔یہ مذہب مؤطا امام مالک کے درج ذیل اثر سے ثابت ہوتا ہے:

مَالِكٌ؛ أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالَ: لاَ حُكْرَةَ فِي سُوقِنَا. لاَ يَعْمِدُ رِجَالٌ، بِأَيْدِيهِمْ فُضُولٌ مِنْ أَذْهَابٍ، إِلَى رِزْقٍ مِنْ رِزْقِ اللهِ نَزَلَ بِسَاحَتِنَا. فَيَحْتَكِرُونَهُ عَلَيْنَا. وَلَكِنْ أَيُّمَا جَالِبٍ جَلَبَ عَلَى عَمُودِ كَبِدِهِ فِي الشِّتَاءِ،وَ الصَّيْفِ. فَذلِكَ ضَيْفُ عُمَرَ. فَلْيَبِعْ كَيْفَ شَاءَ اللهُ. وَلْيُمْسِكْ كَيْفَ شَاءَ اللهُ.(مالک،ج۴،ص۹۴۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے بازار میں ذخیرہ اندوزی نہیں، وہ لوگ جن کے پاس زیادہ سونا (مال) ہے وہ اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے اس رزق کا ارادہ نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے بازار میں اتارا ہے کہ وہ اسے ہم سے روک لیں یعنی مہنگا بیچنے کے لیے ذخیرہ کر لیں۔لیکن وہ شخص جو بیرون شہر سے سردیوں گرمیوں میں بوجھ اٹھا کر یہاں لایا وہ عمر کا مہمان ہے تو وہ جیسے اللہ چاہے بیچے جیسے چاہے روکے رکھے اسے اجازت ہے۔

7. معین مدت سے پہلے قرض ادا کر کے کچھ ادھار معاف کروانا

جب کوئی شخص معین مدت تک ادھار قیمت پر کوئی چیز خریدے تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ مدت سے پہلے اس شرط پر ادا کرے کہ اس سے بائع کا کچھ حق معاف کیا جائے؟اس بارے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: وعليه اهل العلم، وجاء في الصحيحين: ان النبى ﷺ قال: لكعب في دينه على ابن ابي حدرد: يا كعب، قال: لبيك يا رسول اللهﷺ، فاشار بيده و ان ضع الشطر من دَيْنِكَ، قال كعب: قد فعلت يا رسولاللهﷺ، قال: "قُم فاقضه" وهذا صلح على النصف ومعناه الابراء عن النصف. فقال اهل العلم في التطبيق: بينه وبين هذه الاثار ان الاثار في المؤجل وهذا في الحال.(شاہ ولی اللہ،ج۲،ص۴۸)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل علم کا یہی موقف ہے اور صحیحین میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی حدرد کے دَین کے بارے میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے کعب!۔انہوں عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ! تو رسول اللہ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اسے اپنا آدھا قرض معاف کر دو۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے کر دیا یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا اٹھو اور قرض ادا کرو۔ اس روایت میں نصف قرض معاف کرنے اور نصف کو باقی رکھنے کا ذکر ہے۔اہل علم نے صحیحین کی اس حدیث اور موطا کے آثار میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے یہ آثار تاخیر سے ادا کرنے کے بارے میں ہیں جبکہ صحیحین کی حدیث فی الحال ادا کرنے کے بارے میں ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثِ مرفوع اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اثر کے مابین تطبیق کا ذکر بایں طور فرمایا ہے کہ دونوں روایتوں پر عمل ممکن ہو سکے۔اس صورت میں رخصت اور عزیمت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے کہ اہل تقوی فی الحال ادا کرنے کی صورت میں بھی قرض

کی تخفیف سے اجتناب کریں جبکہ عوام الناس کے لیے رخصت ہے کہ وہ فی الحال ادا کرنے میں قرض میں تخفیف کروا سکتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی مرفوع حدیث اور اور درج ذیل اثر میں تطبیق کا ذکر کیا ہے۔

مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدٍ، أَبِي صَالِحٍ، مَوْلَى السَّفَّاحِ؛ أَنَّهُ قَالَ: بِعْتُ بَزّاً لِي مِنْ أَهْلِ دَارِ نَخْلَةَ، إِلَى أَجَلٍ. ثُمَّ أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى الْكُوفَةِ. فَعَرَضُوا عَلَيَّ أَنْ أَضَعَ عَنْهُمْ وَيَنْقُدُونِي، فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَقَالَ: لا آمُرُكَ أَنْ تَأْكُلَ هذَا، وَلاَ تُوْكِلَهُ.(مالک، ج۴، ص۹۷۰)

حضرت ابو صالح فرماتے ہیں: میں نے "دار النخلة" میں اپنا ایک کپڑا معین مدت کے ادھار پر فروخت کیا، پھر میں کوفہ جانے لگا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں انہیں کچھ قیمت معاف کر دوں تو وہ مجھے نقد پیسے دے دیں گے۔ میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کو حکم نہیں دوں گا کہ آپ اسے کھائیں اور نہ ہی یہ کہوں گا کہ اسے دوسروں کو کھلائیں۔

8. رہن رکھی چیز کو روکنے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنی چیز گروی رکھوائے اور پھر معین مدت تک قرض ادا نہ کر سکے تو مرتہن کے لیے مکمل طور پر مرہون شے کو روکنا جائز ہو گا یا نہیں؟ اس بارے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: وعليه اهل العلم، قال محمد: وبهذا ناخذ، وتفسير قوله: لا يغلق الرهن ان الرجل كان يرهن الرهن عند الرجل فيقول له: ان جئتك بمالك الى كذا وكذا والا فالرهن لك بمالك. قال رسول الله ﷺ: لا يغلق الرهن، ولا يكون للمرتهن بماله، وكذلك نقول وهو قول ابي حنيفة. وكذلك فسره مالك بن انس؛ وفي شرح السنة: معناه لا يستغلق بحيث لا يعود الى الراهن بل متى ادى الحق المرهون به افتك وعاد الى الراهن،(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۶۱-۶۰)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور یہی اہل علم کا موقف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی سے ہم دلیل پکڑتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تفصیل یوں ہے کہ رہن کو روکا نہیں جائے گا کیونکہ جب کوئی شخص کسی کے پاس رہن رکھواتا ہے تو اس سے کہتا ہے: اگر تو میں نے تمہارا مال فلاں مدت تک واپس کر دیا تو تُو اسے واپس کرے گا ورنہ یہ رہن رکھی چیز تیرے مال کے بدلے میں تیری ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لاَ يَغْلَقُ الرَّهْنُ" اور وہ چیز مرتہن کے مال کے بدلے میں اس کی نہیں ہو گی۔ ہم اسی کے قائل ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کی یہی تفصیل بیان کی ہے۔

"شرح السنہ" میں ہے: وہ اسے روکے رکھنے کا مطالبہ نہیں کرے گا بایں طور کہ رہن رکھی ہوئی چیز راہن کی طرف تب تک نہیں لوٹائی جائے گی جب تک راہن مرتہن کا حق ادا نہ کر دے، جب راہن نے حق ادا کر دیا تو یہ واپس لوٹائی جائے گی۔

وروى الشافعي هذاالحديث مع زيادة ولفظه لا يغلق الراهن الرهن من صاحبه الذي رهنه، له غنمه وعليه غرمه". قال الشافعي: غنمه زيادته وغرمه هلاكه، وفيه دليل على انه اذا هلك في يد يكون من ضمان الراهن ولا يسقط بهلاكه شيء من حق المرتهن وعليه الشافعي.
وقال ابو حنيفة: قيمته ان كانت قدر الحق يسقط بهلاكه وان كانت اقل من الحق يسقط بقدره وان كانت اكثر من الحق يسقط الحق.(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۶۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث کچھ الفاظ کے اضافے کے ساتھ یوں روایت کی ہے:"لا يغلق الراهن الرهن من صاحبه الذي رهنه، له غنمه وعليه غرمه."آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"غنمه" سے مراد اس کی زیادتی ہے اور "غرمه" سے مراد اس کی ہلاکت ہے۔اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب رہن رکھی ہوئی چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کا ضامن راہن ہو گا مرتہن کے حق میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہو گا۔جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر مرہون شے کی قیمت مرتہن کے حق کے بقدر ہوئی تو مرتہن کا حق ساقط ہو جائے گا، اگر قیمت اس کے حق سے کم ہوئی تو اس کے بقدر حق ساقط ہو گا اور اگر مرتہن کے حق سے زیادہ قیمت ہوئی تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔

وعند الشافعي دوام القبض ليس بشرط في الرهن فيستعمل الدابة المرهونة بالنهار ويرد الى المرتهن بالليل.ولا يسافر عليهاولم يجوزه ابوحنيفة.(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۶۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرہون شے پر قبضہ میں دوام شرط نہیں۔مرتہن چاہے تو دن کے وقت مرہون جانور پر سواری کرے اور رات کو راہن کو واپس کر دے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر سفر کو جائز قرار نہیں دیتے۔

اس مسئلہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے امام محمد، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کے موافق ہے اس پر المسویٰ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب دال ہے۔اور اس لیے بھی کہ یہ مذہب مؤطا امام مالک کی درج ذیل مرفوع حدیث کے بھی زیادہ موافق ہے:

مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ يُغْلَقُ الرَّهْنُ."(مالک، ج۴، ص۱۰۵۴)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رہن رکھی ہوئی چیز کو روکا نہیں جائے گا۔

9. زمین کو آباد کرنے کا حکم

اگر کوئی شخص کسی مردہ زمین کو آباد کرتا ہے تو کیا وہ اس کا حق ہے اور اس میں سلطان کی اجازت کی کیا حیثیت ہے؟اس بارے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: وعليه الشافعي، في شرح السنة: من احيا مواتا لم يجر عليه ملك احد في الاسلام يملك وان لم ياذن السلطان، وبه قال الشافعي. وذهب بعضهم الى انه يحتاج الى اذن السلطان وهو قول ابي حنيفة. وخالفه صاحباه وقوله: "ليس لعرق ظالم حق" هو ان يغتصب ارض الغير فيغرس فيها او يزرع فلا حق له ويقلع غراسه وزرعه.(شاہ ولی اللہ، ج۲، ص۶۱)

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ شرح السنہ میں امام شافعی کا مذہب مذکور ہے کہ جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جس پر کسی کی بھی ملکیت نہ ہو تو وہ زمین اسی کی ہے اگرچہ سلطان اس کی اجازت نہ دے۔بعض اہل علم کا موقف ہے کہ اس میں سلطان کی اجازت ضروری ہے یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اس میں صاحبین نے امام صاحب سے اختلاف کیا ہے. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مراد وہ شخص ہے جو کسی کی زمین غصب کرلے اور اس میں درخت لگالے یا کھیتی اگالے تو اس کو اس زمین میں کوئی حق حاصل نہیں ہو گا اور اس کے درختوں اور کھیتی کو وہاں سے اکھاڑا جائے گا۔

اس مسئلہ میں بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کردہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مردہ زمین کو آباد کرتا ہے تو وہ اسی کی ملکیت ہو گی اور اس میں سلطان سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں ہو گا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ عنوانِ باب(من أحيا مواتاً فهو

لہ) اس پر دال ہے۔ یہ مذہب ظاہر الحدیث کے موافق ہے کیونکہ حدیث میں مطلقاً ملکیت کو ثابت کیا گیا ہے سلطان کی اجازت کو ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ اس اعتبار سے یہ مذہب درج ذیل حدیث کے موافق ہے:

مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ أَحْيَا أَرْضاً مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ. وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ. (مالک، ج۴، ص۱۰۷۶)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے، اور کسی ظالم غاصب کا اس میں کوئی حق نہیں۔

نتائج بحث:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقود مالیہ میں مختلف فیہ مسائل میں تطبیقات کی سعی جمیل فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف فیہ مسائل میں اپنے نظریۂ تطبیق کو پانچ صورتوں میں تقسیم فرمایا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے:

1. حدیث کے موافق رائے کو ترجیح
2. مسئلہ علی القولین
3. رخصت اور عزیمت
4. ایک ہی عمل کے مختلف طرق
5. دونوں اقوال کی اباحت

عقود مالیہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ تطبیق کا جائزہ لینے کے لیے المسوی شرح الموطا کا اختصاصی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس حوالہ سے المسوی میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اعتبار سے دو باتیں اہم ہیں:

1. شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الموطا کے ابواب خود سے قائم کیے ہیں اور ان میں سے بعض ابواب کے عناوین وہ ہیں جن میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مختار مذہب بیان فرمایا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں بھی عنوان میں کوئی فقہی حکم ذکر فرمایا ہے وہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا راجح موقف ہے۔
2. شرحِ حدیث میں آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ مذہب پہلے بیان کرتے ہیں جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح اور حدیث کے زیادہ موافق ہو۔ اس کے بعد دیگر آراء ذکر کرتے ہیں۔

عقودِ مالیہ کی مباحث میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ تطبیق کی بیان کردہ صورتوں میں سے پہلی صورت کے نظائر بکثرت ملتے ہیں۔ اس مضمون میں عقودِ مالیہ سے ۱۹ امثلہ پیش کی گئی ہیں جن میں سے ۸ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ تطبیق کی پہلی صورت پائی جاتی ہے جبکہ صرف ایک مثال (مثال نمبر ۷: معین مدت سے پہلے قرض ادا کر کے کچھ ادھار معاف کروانا) میں رخصت اور عزیمت کی صورت پائی جا رہی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

ابوالحسین، محمد بن فارس بن زکریا (۲۰۰۱ء). مقاییس اللغۃ. بیروت: دار احیاء التراث العربی.

Abu-al-Hassan, M.F.Z, (2001) Maujam Maqayees-ul-Lughah, Beirut, Dar Ahya ul Turath al Arabi.

التھانوی، محمد أعلیٰ، کشّاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مکتبة لبنان ناشرون لبنان

Al-Thanvi, M.A. Kashaf Istlahaat ul Funoon wa al Uloom, Lebanon, Maktaba Lebanon Nashiroon (n.d.).

الجصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي، (۱۴۱۵ھ،) أحكام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیة

Al-Jassas, A.A.A.R, (1415H), Ahkam-ul-Quran, Beirut, Dar-ul-Kutab Al-Ilmiyah.

شاہ عبد العزیز، (۱۳۱۴ھ)، ملفوظات شاہ عبد العزیز، مطبع مجتبائی میرٹھ.

Shah Abd-ul-Aziz, (1314H), Malfuzat e Shah Abd-ul-Aziz, Mirath, Matba Mujtabai.

شاہ ولی اللہ، (۱۹۳۶ء)، التفھیمات الالھیة، مدینة برقی پریس بجنور، مجلس علمی دابھیل.

Shah Wali-ul-Allah, (1936), Al-Tafhimat-ul_Ilahiyah, Bajnor, Barqi Press.

شاہ ولي اللہ، الجزء اللطیف في ترجمة العبد الضعیف''، مشمولہ ''انفاس العارفین''، مکتبہ احمدی دہلی

Shah Wali-ul-Allah, Al-Juz al-Latif fi Tarjamat-il-Abd-il-Zaeef, Dehli, Maktaba Ahmadi (n.d.).

شاہ ولي اللہ، (۱۹۸۳ء)، المسویٰ شرح الموطا، بیروت، دار الکتب العلمیة۔

Shah Wali-ul-Allah, (1983), Al-Musawwah Sharah-al-Muatta, Beirut, Dar-ul-Kutba al-Ilmiyah.

مالک، انس بن مالک، ، (۲۰۰۴ء)، الموطا، المحقق: محمد مصطفى الأعظمي، أبو ظبی، مؤسسة زاید بن سلطان۔

Malik, A.M, (2004), Al-Muatta, Abu-Zahbi, Muassas Zaid Bin Sultan.

الموسوعة الفقھیة الکویتیة، (۱۴۰۴—۱۴۲۷ھ) وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة الکویت، الطبعة،

Al-Maosuat-ul-Fiqhiat-ul-Quwaitiyah, (1404-1427H). Kuwait, Wazart-ul-Aoqaf wa-al-Shaoon ul-Islamiyah.

ندوی، ابو الحسن علی: تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی

Nadvi, Abu-al-Hasan, Tarikh e Dawat O Azimat, Karachi, Majlis e Nashriat e Islam (n.d.).